پیامِ اقبال Bahria Research Journal on Iqbal Studies (BRJIS)
1(1), 69-87, 2022

خود انحصاری اقبال کی نظر میں

Self-Reliance in the Views of Iqbal

Hafiza Ayesha Saddiqa
Govt. Associate College Manga Mandi Lahore
saddiqies90@gmail.com

Ata u Rehman Meo
Lahore Garrison University, Lahore
dratta786@gmail.com

Abstract

Self–reliance means living within one's own means. Nations that rely on their own resources are the ones who earn respect in the world. That is why Allama Iqbal tries to urge the whole Muslim Ummah to be self-reliant. Iqbal especially advises the youngsters to be dynamic and pragmatic. Iqbal desperately wants the young people to recognize their abilities and strengths and conquer the world because the vast expanses of the Earth and the heights of sky are all made for human beings. They should not be indulged and stuck in the routine life and keep their eyes on the infinite ventures. For this, individuals should make the Quran and Hadith their guide, believe in themselves and be active in the exploration and reveal the secrets of life. Iqbal urges individuals to determine their own way instead of following and depending on others. This article seeks to understand Iqbal’s theory of self–reliance in the light of the Quran and Hadith.

Key words: self-reliance, Muslim Ummah, Iqbal, Quran, dynamism, dependence

کلیدی الفاظ: خود انحصاری، اقبال، اخلاقی گراوٹ، حرکت و عمل، قرآن و حدیث، دریوزہ گری، امت مسلمہ

اقبال امت مسلمہ خصوصاً نوجوانوں کو متحرک اور مسلسل محو عمل رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔اقبال چاہتے ہیں کہ اسیر مکاں بننے کی بجائے تسخیر مکاں بنیں۔انھیں روز وشب کے حیات وممات و حادثات میں الجھ کر رکنے کی بجائے لامحدود امکانات پر نظر رکھنی چاہیے کیونکہ یہ زمان ومکاں انسان کے لیے تشکیل دیے گئے ہیں۔اسی لیے اقبال اپنی شاعری میں خود انحصاری پر جابجا تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔اقبال کے کلام کو قرآن وحدیث نے مہمیز کیا ہوا ہے، جس میں انسان کے لیے عمل اور جستجو لازم قرار دی گئی ہے۔اقبال اسی پیغام کی تشہیر اور ترویج کرتے ہوئے حرکت وعمل کے ذریعے اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرنے کی راہ دکھاتے ہیں۔اقبال فقر کو پسند کرتے ہیں کہ اس کو اپنا کر انسان دوسروں کی دریوزہ گری سے بچ جاتا ہے۔اس آرٹیکل میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اقبال کے نظریہ خود انحصاری کا جائزہ لیا جائے گا۔

خود انحصاری، ضرورت واہمیت:

خود انحصاری سے مراد اپنے دستیاب وسائل میں رہتے ہوئے زندگی بسر کرنا ہے۔جو قومیں اپنے دستِ بازو پر بھروسا کرتی ہیں، دوسروں کے دست نگر بننے کی بجائے قدرت نے انہیں جو وسائل بخشے ہیں، انہیں ترقی دے کر اپنی ضرورت پوری کرنے کا سامان کرتی ہیں، اقوام عالم میں یہی قومیں باوقار ٹھہرتی ہیں۔اقبال اسی خود انحصاری کا درس دیتے ہوئے انسان کو حرکت وعمل کی طرف گامزن کرتے ہیں کیونکہ محبوب فطرت وہی ہے جو جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کی عملی تفسیر ہے۔اقبال زمان ومکاں کی قیود کے حامی نہ تھے۔وہ ستاروں سے آگے نئے جہاں مسخر کرنے کے متمنی تھے۔ان کے نزدیک تحقیق وجستجو اور مسلسل محنت سے ہی ستاروں پر کمند ڈال کر نئی دنیائیں بازیافت کی جاسکتی ہیں۔یہی اقوام عالم میں باافتخار قومیں اور ترقی یافتہ اقوام کے مدمقابل کھڑے ہونے کا ذریعہ ہے۔ہمارے اسلاف نے اسی راہ پر چلتے ہوئے دنیا پر ہزاروں سال حکمرانی کی۔علوم وفنون اور زندگی کے ہر شعبے میں اپنی کامیابیوں کا علم بلند کیا، یہاں تک کہ جب یورپ دور جہالت کا شکار تھا تو مسلمانوں کا ہر طرف طوطی بولتا تھا اور اہل مغرب مسلمانوں کی طرف حسرت ویاس سے

دیکھتے تھے۔ اقبال نے اپنے خطبات اور شاعری میں مسلمانوں کے ترقی یافتہ دور کا جہاں بڑے فخر سے ذکر کیا ہے وہاں وہ مسلمانوں کی زوال پذیری کا نوحہ بھی بیان کیا ہے۔ سترھویں صدی سے اہل یورپ نے سائنس کے میدان میں بتدریج ترقی کی لیکن امت مسلمہ آپس میں دست و گریباں ہو کر نہ صرف اپنے وسائل سے محروم ہوتی گئی بلکہ ترقی کے میدان میں بھی پسماندہ ہو گئی۔ اقبال کی شاعری میں مجموعی طور پر ملت اسلامیہ کی سائنس کے علوم و فنون اور جدید ٹیکنالوجی سے محرومی کا تذکرہ ملتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ امت مسلمہ خصوصا برصغیر کے مسلمان پھر سے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے سائنسی، معاشی اور علوم و فنون کے میدان میں اپنے آپ کو اس قدر مضبوط کر لیں کہ بدیسی حکمران انہیں آزادی دینے پر مجبور ہو جائیں۔ یہی اقبال کے دور میں وقت کی ضرورت بھی تھی اور آج بھی اس کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں ہے۔ جو قومیں اپنے وسائل میں رہتے ہوئے خود انحصاری کی منزل کو اپنا مقصد بنا لیتی ہیں، وہ اس منزل کو پانے کے لیے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتیں۔ اقبال کی تعلیمات میں یہی احساس جابجا نمایاں نظر آتا ہے کہ ترقی یافتہ اقوام کے دام تزویر اور استحصال سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ پسماندہ اقوام اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ترقی کی منازل طے کریں تاکہ ترقی یافتہ ممالک ان کے وجود کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں۔ اقبال نے اسی بنا پر ایک علیحدہ "جمیعت اقوام" کو وجود میں لانے پر زور دیا ہے تاکہ وہ ایک مستقل لائحہ عمل ترتیب دے جو خود انحصاری کی ضرورت و اہمیت کے لیے مشعل راہ ثابت ہو۔ 1

آج امت مسلمہ اغیار کی چوکھٹ پر جبہ سائی کر رہی ہے۔ اسلام کے زریں اصولوں سے منہ موڑنے کی وجہ سے اس کی خودی ختم ہو چکی ہے جس کے باعث آدمیت دم توڑ رہی ہے۔ پہلی امتوں کے سارے عیوب ان کی فطرت کا حصہ بن چکے ہیں۔ ہر قسم کی برائیوں نے اس کی پاکیزگی کو تار تار کر دیا ہے۔ یہاں تک کے ہمارے قوم کے رہنما بھی اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہیں۔ تفرقہ بازی نے قوم کا اتحاد پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ مدرسہ ہو یا خانقاہ، دینی مدارس ہوں یا یونیورسٹیاں، غرض

کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں اسلامی تعلیم کی پاسداری کی جاتی ہو۔ اقبال نے اس کیفیت کی کیا خوب عکاسی کی ہے۔ 2

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

جب سے ہم نے مغربی تہذیب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے ہم اخلاقی حوالے سے دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ مغربی اقوام پر انحصار نے ہمیں خودی اور غیرت ایمانی سے محروم کر دیا ہے۔ ہم ان کی روشنیٔ علم وہنر کی چکا چوند سے اس قدر متاثر ہیں کہ ہمارا طبقہ اشرافیہ کو جدید تقاضوں پر مبنی حصول علم کے لیے اہل مغرب اور اہل فرنگ کی یونیورسٹیوں میں بھیجتا ہے۔ پھر اس پر فخر کا اظہار کرتا ہے کہ ہمارا بیٹا / بیٹی آکسفورڈ سے فارغ التحصیل ہے، ہاورڈ کا تعلیم یافتہ ہے، کوئی کیمبرج یونیورسٹی کالج لندن، امپیریل کالج لندن، دی میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی امریکہ میں پڑھ کر پھولا نہیں سماتا۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ ہمارے نوجوان جدید تعلیم کے لیے یورپ پر انحصار کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ سندِ فضیلت لے کر لوٹتے ہیں تو اسلامی تہذیب سے بیگانہ دکھائی دیتے ہیں۔ مغربی تہذیب کی ملمع سازی ان کے اذہان و قلوب کو نامحسوس طریقے سے اپنے طلسم میں اس قدر جکڑ لیتی ہے کہ انہیں وطن عزیز کی ہر شے حقیر اور ناقص دکھائی دینے لگتی ہے۔ حب وطن سے بیزاری اور جذبہ وطنیت سے عاری، وطن کی بھلائی کو فروغ دینے کی بجائے، وطن عزیز کی روایات کو مغربی تہذیب کے کھوکھلے اور بے جان اصولوں پر پرکھنے اور رواج دینے کی کوشش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ اقبالؔ نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے: 3

یورپ میں بہت روشنیِ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ ء حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائیِ تعمیر میں،رونق میں،صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے،حقیقت میں جُوا ہے
سُود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ عِلم،یہ حکمت،یہ تدبّر،یہ حکومت
پیتے ہیں لہو،دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بے کاری و عُریانی و مے خواری واِفلاس
کیا کم ہیں فرنگی مَدنِیّت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق وبخارات
ہے دِل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

یہ وہ حقیقت ہے جسے اقبال نے لینن کی زبان سے عیاں کیا ہے۔یہی آئینہ مغربی تہذیب ہے کہ جس میں ہم اپنا چہرہ دیکھ کر نہال ہوئے چلے جاتے ہیں اور اپنے نام نہاد آقاؤں کے چشم ابرو کے اشارے پر تن من دھن، سب کچھ لٹانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ہمیں خوف ہے کہ حکم عدولی ہمیں غار کے زمانے میں نہ دھکیل دے۔پھر ہم عیش ونشاط اور نغمۂ طرب والی زندگی کیسے بسر کریں گے؟ یہ وہ ڈر، خوف، اندیشہ دامن گیر ہے کہ قدرت کی طرف سے دیئے گئے وسائل سے خودانحصاری کی طرف بڑھنے کے لیے عملی اقدامات اٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔عیش پرستی سے نکل کر غربت کی دلدل میں جانے کا خوف ان کی خود انحصاری کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔اقبال کے نزدیک

غربت اور افلاس وہ لعنتیں ہیں جو انسانی کردار پر مضر اثر ڈالتی ہیں اور اس کی شخصیت کی مکمل نشو و نما میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ وہ، معاشی اطمینان کو آزادی کی مانند انسانی شخصیت کے بھرپور اظہار کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ 4

خودی کی تعمیر میں اداروں کا کردار:

قوم کی تعمیر میں ادارے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ خاص طور پر تعلیم، صحت اور عدلیہ۔ تعلیم کو اس لیے فوقیت حاصل ہے کہ تمام اداروں کے لیے تعلیم یافتہ نوجوان، تعلیم و تربیت کے مراحل طے کر کے قوم کی خدمت کا جذبہ لیے دوسرے اداروں میں ذمہ داریاں سنبھالتے ہیں۔ اقبال چاہتے تھے کہ ان نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اس نہج پر ہو جو ان میں جذبہ ایمانی کو مضبوط کرتے ہوئے ان کو عزت نفس، خودداری، حق گوئی، غیرت و حمیت، قناعت، زہد توکل جیسی اعلی صفات سے متصف کر دے۔ وہ اس بات کے خواہاں تھے کہ یہ نوجوان اپنی خودی کی حفاظت کریں، اپنی انا کو گروی نہ رکھیں، کیسے ہی مشکل حالات سے دوچار ہوں لیکن اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں، روکھی سوکھی پر گزارہ کر لیں لیکن اپنے عہدے اور اپنے ضمیر کا سودا نہ کریں۔ اگر ہمارے نوجوان ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے میں کامیاب ہو گئے تو دنیا میں کامرانی و سرفرازی ان کا مقدر بنے گی اور آخرت میں بھی بہترین حصہ ہو گا۔ اسی خودی کی بلندی سے انہیں جو اطمینانِ قلب حاصل ہو گا، وہ دنیا کی ساری دولت بھی نہیں دے سکتی۔ اسی لیے اقبال فرماتے ہیں: 5

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے ، بتا تیری رضا کیا ہے

یہی خودی ان کو خود انحصاری کی راہ پر گامزن کرے گی اور وہ دوسروں کی چوکھٹ پر دریوزہ گری کرنے سے بچ جائیں گے۔ یہی خودی ان کے اندر تحقیق و جستجو، شجاعت، بہادری، عدل و انصاف کو فروغ دے گی جس کی بدولت وہ دنیا کی امامت کے اہل ہو جائیں گے اور دینِ محمدی ﷺ

کا پرچم پوری دنیا میں بلند کر سکیں گے۔ تصورِ پاکستان کے پیچھے اقبال کی یہی سوچ کار فرما تھی کہ ایسی ریاست جہاں اسلام کے لافانی اصولوں کو اپنایا جائے۔ اپنے دست بازو پر یقین رکھتے ہوئے خود انحصاری کا ذوق پیدا کیا جائے تاکہ دوسروں کا دست نگر نہ بننا پڑے۔ اسی لیے قیام پاکستان کے مقاصد میں اپنے وسائل میں رہتے ہوئے خود انحصاری کی راہ اپنانا بھی شامل تھا۔ قائداعظم نے کئی مرتبہ اپنی تقریروں میں اس کی وضاحت بھی کی۔ 21مارچ1948ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا:

> "پاکستان میں کسی ایک طبقہ کی لوٹ کھسوٹ اور اجارہ داری نہیں ہو گی، پاکستان میں بسنے والے ہر شخص کو ترقی کے برابر موقع میسر ہوں گے۔ پاکستان امیروں، سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوابوں کی لوٹ کھسوٹ کے لیے نہیں بنایا گیا۔ پاکستان غریبوں کی قربانیوں سے بنا ہے۔ پاکستان غریبوں کا ملک ہے۔ اس پر غریبوں کی حکومت کا حق ہے۔ پاکستان میں ہر شخص کا معیار زندگی اتنا بلند کیا جائے گا کہ غریب اور امیر میں کوئی تفاوت باقی نہیں رہے گی۔ پاکستان کا اقتصادی نظام اسلام کے غیر فانی اصولوں پر ترتیب دیا جائے گا اور ان اصولوں پر جنہوں نے غلاموں کو تخت و تاج کا مالک بنا دیا تھا۔" 6

آج قائد اعظم کی مذکورہ تمام باتوں کو فراموش کر کے قیام پاکستان کے مقاصد سے انحراف کیا جا رہا ہے۔ ہر شخص بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہا ہے۔ امیر امیر تر اور غریب غربت و افلاس کی چکی میں پس رہا ہے۔ وسائل تو ہمیں قدرت نے بے پناہ دیے ہیں لیکن یہ وسائل اغیار کے ہاتھوں گروی رکھے جا چکے ہیں۔ نفع بخش ادارے اونے پونے داموں فروخت کر کے قرض اتارنے کی سعی لا حاصل کر رہے ہیں۔ یہود و ہنود کی پالیسیوں کے تحت ملک کا اقتصادی و معاشی نظام چلا رہے ہیں۔ ہم اسلام کے سنہرے اصولوں سے روگردانی کر کے مغرب کی ناپائیدار شاخوں پر اپنا ٹھکانہ بنانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اقبال پہلے ہی اس حقیقت کو عیاں کر چکے ہیں کہ ان بنیادوں پر جو بھی آشیانہ بنے

گا وہ مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اقبال نے مغرب کی سرمایہ داری اور اس کے سبب اس کے تمدن کے انحطاط کا جو تجزیہ کیا ہے اس میں ایک نکتے پر وہ مارکسی نظریے سے ہٹ کر ایک مذہبی سبب تلاش کرتے ہیں۔ اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری کی تہہ میں ایک بڑی بات حقیقی انسانیت کا فقدان ہے اور اس لیے اس میں انسانی اقدار کے نظم وضبط کی کمی ہے۔ اس کا سبب وہ لادینیت کو قرار دیتے ہیں۔ اس لادینیت نے ان کے نزدیک مغرب کو خود اس کی اپنی تلوار سے زخمی کیا۔ 7

اسی لیے اقبال بیش تر جگہوں پر اس حقیقت کا ذکر کر چکے ہیں کہ بظاہر خوشنما دکھائی دینے والا راستہ در حقیقت مکر و فریب کا جال ہے۔ اس میں پھنس کر اس سے رہائی ناممکن ہے اور آج وطن عزیز میں دیکھا جائے تو یہی حال دکھائی دے رہا ہے کہ مغرب کے دام میں آکر ہم اپنی طاقت و اہمیت کھوتے جا رہے ہیں۔ عالمی اداروں کے ٹھیکیدار ہماری آزادی کو سلب کرنے کے لیے اور بحیثیت قوم ہمیں مفلوج کرنے کے لیے نت نئی چالوں کے جال بُن رہے ہیں۔ سرمایہ داری کے طور پر دیے جانے والے قرضوں کے بوجھ تلے ہمیں اس قدر دبا دیا ہے کہ ہم معاشی طور پر کھڑے نہ ہو سکیں۔ عالمی اداروں سے لیے گئے قرض کی واپسی کے لیے مزید قرض لیا جا رہا ہے۔ اور ان کی بے جا شرائط کو من وعن تسلیم کر کے خود انحصاری کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ کیا یہی زندہ قوموں کا وتیرہ ہے؟ اسلام بحیثیت تمدنی قوت ہمیں ان تمام طریقوں اور ذرائع سے آگاہ کرتا ہے جن کی بدولت ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ اقبال اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

> ”اسلام ایک مکمل نظام حیات ہونے کی حیثیت سے اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کو معاشرتی زندگی میں قوت نافذہ کی حیثیت حاصل ہو، افراد اپنی نجی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں اس کے قوانین کو قبول کریں اور یہی وہ نظام ہے جس کے حوالے سے افراد اپنے آئیڈیل کو حاصل کر سکتے ہیں۔“ 8

معیشت اور خود انحصاری:

اقبال نے اپنی شاعری میں جہاں سیاست، تمدن اور تہذیب کا ذکر کیا ہے وہاں ان کی شاعری میں معاشیات کو بھی بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ معاشی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیاسی استحصال معاشی استبداد کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں معاشی عدم مساوات کی موجودگی میں سب لوگوں میں اخوت قائم نہیں ہو سکتی۔ اقبال سرمایہ دارانہ نظام سے سخت نفرت کرتے تھے کیوں کہ ان کے خیال میں یہ نظام بنیادی طور پر کمزور لوگوں کا استحصال کرتا ہے۔ 9 اقبال کی دور بیں نگاہ ان پہلووں پر بھی تھی جو بہت سے لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھے۔ انہوں نے ہر حقیقت سے پردہ اٹھانے کی سعی کی ہے اور اسلام کے اصولوں کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے کہ دور جدید میں ہم کس طرح ان اصولوں کے مطابق تمدن کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ وہ ماضی کی تابناکی کو بھی سامنے رکھتے ہیں، حال کی فکر بھی انہیں بے چین کیے دیتی ہے اور فکر فردا انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اقبال محض شاعر اور فلسفی ہی نہیں بلکہ وہ تمدنیات کے بہت بڑے نقاد تھے۔ انہوں نے صرف مغربی تہذیب پر ہی تنقید نہیں کی بلکہ خود اسلامی تاریخ میں بھی انہیں ایک بہت بڑے تمدنی نقاد کی حیثیت حاصل تھی۔ 10

تعلیم و تربیت اور خود انحصاری:

خود انحصاری، خود شناسی کی راہ استوار کرتی ہے اور دین اسلام کے جز ہونے کے باعث ہر مسلمان کی شخصیت کا خاصہ ہونا لازمی ہے۔ اسی لیے اقبال چاہتے تھے کہ نوجوانوں کی تربیت بھی انہی اصولوں پر کی جائے کہ وہ اپنے زور بازو پر کامل یقین رکھتے ہوئے باطل کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔ یہی خود انحصاری کا یقین جراتِ حیدری پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ اقبال خودی کے بارے میں لکھتے ہیں جسے صابر ابوہری نے یوں ترجمہ کیا ہے: 11

جو اسرار خودی کا رازداں ہے
غبار اس کا حریف کہکشاں ہے
شرار عشق ہے جس کا اثاثہ
وہی انساں امیر کارواں ہے

اقبال نے جہاں بھی جوانانِ ملت کا ذکر کیا ہے، وہاں اس خواہش کا بھی اظہار نظر آتا ہے کہ ان کے اندر خودی کو پہچاننے کا شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی خودی کے بل بوتے پر ،اپنے وسائل پر انحصار کرتے ہوئے زندگی گزاریں جو انہیں اغیار کے سامنے جھکنے سے بچا لے۔اس کے لیے وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ تربیت کے ان مراحل سے بچپن ہی سے گزارا جائے۔جیسا کہ اقبال کی نظم "بچے کی دعا" میں بچہ خودی کے ارتقائی مراحل طے کرتا نظر آتا ہے۔پہلے اپنے ہونے کا ادراک ہے، پھر مقصد زندگی ہے، جس کے ساتھ مقصد بندگی بھی شامل ہو کر ایک پورے احساس اور یقین کے ساتھ اللہ کی ذات پر یقین کاملہ کی صورت میں دکھائی دیتا ہے کہ اپنے وجود سے اللہ کے موجود ہونے کا ادراک پاکر، اپنی زندگی و بندگی کا مقصد تعین کرنے کے ساتھ اللہ کے حضور دعا ہے کہ برے رستے سے بچاتے ہوئے سیدھی راہ کا راہی بنا دے۔یہ وہ جذبہ ہے جو توکلت علی اللہ 12 سے سرشار کرتا ہے۔یہی حقیقت انسان کو ناامیدی اور مایوسی سے بچاتی ہے۔اس لیے اقبال اس چیز پر زور دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں تربیت کے ان مراحل کا آغاز عہد طفولیت سے ہی ہونا چاہیے۔یوں تو ان کی اس نظم کے اشعار زبان زد عام ہیں لیکن اس کے متروکہ اشعار جو بانگ درا میں شامل نہیں ہیں، وہ بھی مقصدیت سے خالی نہیں ہیں:13۔

میری خوشبو سے معطر ہو زمانہ سارا
بن کے بلبل ہو مرے حسن پہ دنیا شیدا
علم دنیا کے چمن میں ہو اگر گل کی طرح
میں چہکتا رہوں اس پھول پہ بلبل کی طرح

دکھ اٹھائے مرے ہاتھوں سے نہ جاندار کوئی
اے خدا! عمر اسی طرح بسر ہو میری
دکھ بھی آجائے تو ہو دل نہ پریشاں میرا
شکر ہر حال میں ہو میری زباں پر تیرا

اقبال مسلمانوں کو خود انحصاری کی جس راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے اس کے لیے ان کی تعلیم و تربیت اور جدید علوم وفنون سے آگاہی بہت ضروری تھی۔ اس لیے وہ خصوصی طور پر جوانوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے زور دیتے تھے۔ یعنی جس کا احساس، اور اصلاح کی ابتدا سر سید نے کی ،اس کی انتہا افکارِ اقبال میں دکھائی دیتی ہے۔ اس ضمن میں خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:14۔

"مسلمانوں میں احیاء ملت اور اصلاحِ قوم کا خیال سب سے پہلے سر سید احمد خاں کے دل میں پیدا ہوا۔ وہ ملت کا دلدادہ اور اسلام کا شیدائی تھا لیکن ان حالات میں مسلمانوں کے احیا کی صورت اس کی سمجھ میں بھی یہی تھی کہ انگریزوں سے علوم و فنون حاصل کیے جائیں اور ان کی تہذیب میں سے ان عناصر کو اپنایا جائے جو اسلام کے منافی نہیں بلکہ حقیقت میں اسلامی زندگی کا تقاضا ہیں۔۔۔ سر سید احمد خاں اور ان کے رفقا اسلامی تعلیمات ،اسلامی علم وادب اور اسلامی تاریخ کے عالم اور ادیب تھے اور غلامانہ ذہنیت کے مالک نہ تھے۔ یہ زمانہ مسلمانوں کی ملی خودی کو زور شور سے پیش کرنے کا عہد نہ تھا۔ چنانچہ اقبال نے بھی اس دور میں علی گڑھ کالج کے طلبا کو جو پیغام بھیجا، اس میں آخر میں یہ نصیحت کی:

بادہ ہے نیم رس ابھی، شوق ہے نارسا ابھی
رہنے دو خُم کے سر پہ تم خشتِ کلیسیا ابھی"

اقبال کے نزدیک مغربی تعلیم صرف اسی صورت میں قابل عمل ہے جب اسے مشرقی اقدار سے آہنگ کر لیا جائے۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ ایسا نظامِ تعلیم ترتیب دیا جائے جس میں عظمتِ رفتہ سے پیوستہ رہنے کا بھی سبق ہو اور وسعت آسمان کو تسخیر کرنے کی لگن ہو کیونکہ جو قومیں اپنے اسلاف کی عظمت کو فراموش کر دیتی ہیں وہ کبھی انسانیت کے وقار کو بحال نہیں رکھ سکتیں۔ اسلاف کے کارناموں میں عظمتِ رفتہ کی یاد ہے جس کی بازگشت اقبال کی شاعری میں بار بار سنائی دیتی ہے۔ اقبال اپنی شاعری کے ذریعے گذشتہ کو آئندہ سے پیوستہ کرنے کی مسلسل سعی میں مصروف نظر آتے ہیں اس لیے کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد ہی تھے جو صرف قوت ایمانی اور خود انحصاری کی بدولت باطل سے ٹکرا گئے۔ جنہوں نے طوفانوں کا رخ موڑ دیا۔ وہ لوگ خود یقینی اور خود شناسی کی دولت سے مالا مال تھے۔ 'خدائے لم یزل کا دستِ قدرت' کی عملی تفسیر تھے۔ آج کا مسلمان اسی چیز سے غافل نظر آتا ہے۔ اقبال اسے غفلت کی نیند سے بیدار کرتے ہوئے اس کے پیکرِ خاکی میں یقیں کا گماں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس حوالے سے عبد الوہاب عزام یوں رقمطراز ہیں:

> ”مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اقبال کے پیغام کی عظمت کا احترام کریں۔ اس کے پیش کردہ طریق کو اپنا آئین بنائیں، اس کی دعوت کو لبیک کہیں اور اس کے کلام کو اسلامی اور غیر اسلامی زبانوں میں شائع کریں۔ مسلمان ادیبوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اقبال کے افکار کو قبول کریں اور اس کے طریق کی پیروی کریں، یہاں تک کہ ادبیات اسلامی پر وہی رنگ غالب آجائے اور وہی روح ان کا طرۂ امتیاز بن جائے جو دوسری قوموں سے انہیں ممتاز کر سکے اور بلند روحانی مقاصد اور فلسفہ خودی کو غلبہ نصیب ہو۔“15؎

خود انحصاری کا سفر:

اقبال کی تربیت نہ صرف اسلام کے اصولوں کے عین مطابق ہوئی تھی بلکہ ان کے والدین نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ اقبال خود بھی خود انحصاری کی روش اپنائے ہوئے

تھے۔اسی وجہ سے اقبال کا اللہ تعالی کی ذات پر کامل توکل تھا جس کے بارے میں فقیر سید وحید الدین "روز گارِ فقیر" میں یوں رقم طراز ہیں کہ اقبال کا توکل بے عملی کا توکل نہیں بلکہ فعال توکل تھا۔ہر امکانی تدبیر کے ساتھ اللہ تعالی کی ربوبیت اور قدرتِ کاملہ پر ایمان و ایقان۔16 اقبال اس بات پر پورا یقین رکھتے تھے کہ جب انسان ہر ممکن کوشش اور تدبیر کے بعد نتیجہ اللہ کی ذات پر چھوڑ دیتا ہے تو پھر اللہ غیب سے ایسے اسباب پیدا فرماتا ہے کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔یقین کی یہ طاقت انسان کو کسی کے سامنے مغلوب نہیں ہونے دیتی۔اقبال کے اندر ایمان کا ایقان ہی تھا جس نے انہیں قناعت اور صبر وتوکل جیسی صفات سے مالا مال کر دیا تھا۔اقبال اسی جذبہ ایمانی کو نہ صرف اپنی قوم بلکہ پوری امت مسلمہ کے اندر دیکھنے کے متمنی تھے۔

اقبال کی اسی دکھائی ہوئی تیقن کی راہ پر چلتے ہوئے بحیثیت قوم، ہم نے کچھ معاملات میں خصوصاً دفاعی حوالے سے ہم نے خود انحصاری کے سفر کا آغاز کر دیا ہے۔کیونکہ مسلمان اپنے وطن کی حرمت کے لیے جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا اور مرتبہ شہادت ہمیشہ اس کے پیش نظر رہتا ہے۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہوئے، اس کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنا ہی ایک مسلمان کی شان ہے۔ان صفات کا حامل مسلمان باطل قوتوں کے دباؤ کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ قدرت مطلق کی حاکمیت کا علَم بلند کیے استعماری عناصر کی بیخ کنی پر تُل جاتا ہے۔اقبال مسلمانوں کو ایسے ہی یقین اور اتحاد کی دولت سے مالا مال دیکھنا چاہتے ہیں جس کے سامنے طاغوتی قوتوں کے سارے حربے ناکارہ ہو کر رہ جائیں۔اللہ کی ذات پر یہی یقین کامل انسان کی خودی کو مستحکم کرتا ہے جس کے زور پر انسان زمان و مکاں کی تسخیر کر سکتا ہے۔اقبال نے کہا ہے:

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا 17؎

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھُلتے ہیں غلاموں پر اَسرارِ شہنشاہی 18؎

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا 19

اسوہ حسنہ ﷺ کی پیروی، خود انحصاری کے لیے مشعل راہ:

اقبال کے دور میں حالات ایسے بھنور میں تھے جس میں سے نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ صرف برصغیر ہی نہیں بلکہ پوری دنیا ایک اضطراب کی حالت میں دکھائی دیتی تھی۔ پہلی عالمی جنگ کے بہت برے اثرات مرتب ہو رہے تھے جس کی لپیٹ میں مغرب ہی نہیں مشرق بھی آ چکا تھا اور اس کے سائے سالوں تک باقی رہنے والے تھے۔ دگرگوں معاشی حالات نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ کسی بھی قوم کے آزادانہ وجود کے لیے معاشی نظام ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ زندگی کے معاشی پہلو کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے سے انسانی فطرت اپنے اصلی روپ میں بے نقاب ہوتی ہے۔20 اگر اسی نظام میں خلل واقع ہو تو باقی نظام بھی مستحکم صورت اختیار نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقی اقدار، مغربی یلغار کے سامنے اپنا وجود قائم نہ رکھ سکیں۔ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے ثمرات سے کوئی بھی نظام کلی استفادہ نہ حاصل کر سکا۔ اقبال کے خیال میں دونوں نظامِ حیات کی ناکامی واضح تھی۔21 اقبال کے نزدیک اشتراکیت کی اصل خامی یہ ہے کہ وہ کلمہ کے پہلے جزو پر آ کر رک جاتی ہے وہ تمام باطل خداؤں کا انکار تو کرتی ہے لیکن اس سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ اس لیے وہ انسانیت کے لیے راہ نجات پیش کرنے کی بجائے زبردست فتنہ بن چکی ہے۔22 اقبال کے خیال میں کوئی بھی نظام اس قابل نہ تھا جس پر مستقل بنیادوں پر کسی قوم کا ڈھانچہ قائم رہ سکے۔ کیوں کہ مغرب کا ہر وضع کردہ نظام افراط و تفریط کا باعث بنا۔ کسی بھی نظام میں وہ داخلی قوت کارفرما نہیں تھی جو معاشرے میں توازن قائم کر سکے۔ توازن اور اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن اور اسوہ رسول ﷺ سے ملتی ہے۔ 23 ان تعلیمات سے ہٹ کر جو بھی نظام بنے گا، اس میں تباہی مضمر ہو گی۔ اس لیے اقبال چاہتے تھے کہ ایسا نظام حیات تشکیل دیا جائے جس کی بنیاد خودی پر مستحکم ہو، وہ چاہتے تھے کہ مسلمانان برصغیر خودی کے راز سے آشنا

ہو جائیں کیوں کہ خودی ہی ایسی قوت ہے جو کسی بھی منجدھار سے ان کو نکالنے کے لیے طاقت اور ہمت دے سکتی ہے اور ان کے لیے نئے راستے متعین کر کے انہیں جہانِ تازہ پیدا کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔اسی لیے اقبال اپنی شاعری میں خودی کو جاننے ، پہچاننے اور خود انحصاری پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔اقبال کے نزدیک:

خودی کی موت پیغامِ غلامی خودی سے آدمی ظلِّ الٰہی
خودی کی پاسبانی خودشناسی فدائے رنگ بو ہونا تباہی[24]

اقبال امت مسلمہ کے سامنے وہ تعلیمات رکھتے ہیں جن میں فلاح کا راستہ ہے۔وہ انہیں اللہ پر یقین رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے اپنے زور بازو پر دنیا تسخیر کرنے کی راہ دکھاتے ہیں۔یہی یقین کی دولت، اعتماد، خود انحصاری، اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرنا، اللہ کے علاوہ کسی سے سوال نہ کرنا، اللہ سبحانہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہونے کا یقین، یہی تعلیم وتربیت اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اجمعین اور اصحاب صفہ کی تھی۔ آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام نے دین اسلام کی ترویج و تبلیغ کے لیے بے مثال خدمات انجام دیں۔یہ سب خود انحصاری کی دولت سے مالامال تھے۔کیونکہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے خود انحصاری پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔مکہ میں رہتے ہوئے جب ابو جہل اور ان کے ساتھیوں نے آپ ﷺ اور خاندان کا معاشی بائیکاٹ کر دیا تو آپ ﷺ کو مع اہل و عیال اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ لینا پڑی جہاں آپ ﷺ نے اپنے خاندان بنو ہاشم کے ساتھ انتہائی مشکلات میں تقریباً تین سال (7 نبوی سے 10 نبوی سال) گزارے۔اقبال اسی فقر کا مسلمانوں میں احیا چاہتے ہیں کہ جس پر چل کر مومن اللہ کے دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے اور اسے کسی کے سہارے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔یہی وہ خود انحصاری کا راستہ ہے جو اللہ کی نظروں میں پسندیدہ ٹھہرتا ہے۔اقبال نے اس کی عکاسی یوں کی ہے:[25]

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اِک فقر سے کھُلتے ہیں اسرارِ جہانگیری
اِک فقر سے قوموں میں مسکینی و دِلگیری
اِک فقر سے مٹّی میں خاصیتِ اِکسیری
اِک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیّری!

خود انحصاری کے لیے اقدامات:

خود انحصاری وقت کی ضرورت ہے اس کے بغیر ہم قیامِ پاکستان کے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے۔ 75 سالوں میں ہم یہ طے نہیں کر سکے کہ ہم نے کن رہنما اصولوں کو اپنا کر اپنی خودی کی تعمیر کرنی ہے۔ خودی کے حصول کی بدولت ہی ہم اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں۔ دین اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ علامہ اقبال کے نزدیک، جس قوم کو عالمگیر امن و اخوت کے لیے دنیا کی امامت کا فرض ادا کرنا ہو، اسے رواداری، وسیع القلبی اور وسعت فکری کی اقدار کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی سرحدوں کی حفاظت اور اندرونی استحکام سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وسائل کے اندر رہتے ہوئے ترقی کے گرُ سیکھے۔ اقوامِ عالم کی مدد کے بغیر خود انحصاری کی راہ اپنائے۔ یہ راہ آسان نہیں ہے، بھوک، پیاس، فاقے اور نہ جانے کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے لیکن جب کوئی قوم نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو کامل اختیار کر لیتی ہے تو ایک ایک کر کے سب دکھوں کا مداوا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد قدم قدم پر اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ اس کی خودی اسے دوسروں کا دست نگر بننے کی بجائے عزت و وقار سے جینے کا حوصلہ دیتی ہیں کہ یہ بے سروسامان بھی طاغوتی قوتوں سے ٹکرا جاتی ہے اور فتح و کامیابی اس کا مقدر بنتی ہے۔ اقبال نے کیا خوب ایسے جانبازوں کی عکاسی کی ہے26۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس کے لیے ضروری ہے صاحب اقتدار طبقہ کا کردار صاف شفاف اور بے داغ ہو۔ حکمران طبقہ اپنے افعال و اعمال کے لیے عوام کے سامنے جواب دہ ہوں۔ اگر حکمران طبقہ وسائل سے بڑھ کر اسراف سے کام لیتا ہے اور دوسروں کو میانہ روی کی تلقین کرتا ہے تو اپنے رویوں میں تضاد کی بنا پر کوئی ان کی بات سننے پر آمادہ نہ ہو گا اور خود انحصاری کے سارے طور طریقے ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ اسی بنا پر اقبال خودی کی تربیت اور تعمیر پر بہت زور دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک27۔

خودی کے ساز میں ہے عمرِ جاوداں کا سُراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

خودی کو مستحکم کرنے کے لیے رزق حلال شرط اول ہے۔ حرام اور حلال میں امتیاز لازم ہے۔ حرام یا غیر قانونی ذرائع سے کمایا ہوا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظروں میں گرا دیتا ہے پھر جتنا چاہیں عبادت کرلیں، صدقہ و خیرات کرلیں، اللہ تعالی کے ہاں اسے قبولیت کی سند حاصل نہیں ہوتی لیکن محنت سے کمایا ہوا ایک روپیہ بھی اللہ کے ہاں بڑا اجر رکھتا ہے۔ اقبال کی شاعری میں یہی درس ہے کہ ہمیں دوسروں کا احسان لینے کی بجائے اپنی دنیا آپ تعمیر کرنی چاہئے-28۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے، ضمیر کن فکاں ہے زندگی

اقبال نے اپنے بیٹے جاوید کو مخاطب کر کے تمام جوانانِ ملت کو یہ سبق دیا ہے کہ ہمیں دوسروں کے زیر بار ہونے کی بجائے سفال ہند میں موجود خزائن کو بازیافت کرنا چاہیے۔ اسی سے ہماری خودی تعمیر ہو گی اور خود انحصاری کی روایت پروان چڑھے گی۔ 29

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مِینا و جام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے
خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

اقبال کا نظریہ خود انحصاری ہمہ گیریت کا حامل ہے۔ اس میں تمام اقوامِ عالم جو دنیا میں اپنا نام اور مقام چاہتی ہیں ان کے لیے پیغام موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اقبال کے پیغام کو نہ صرف سمجھا جائے بلکہ اس کی روشنی میں راہِ عمل متعین کیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال (تشریحات جاوید)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1994ء، ص:110

2۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، بال جبریل، مشمولہ کلیات اقبال (،لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، اشاعت پنجم، 1982ء)، ص:46

3۔ علامہ اقبال، بال جبریل، محولہ بالا، ص:107,108

4۔ سمیع اللہ قریشی، افکار اقبال، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 1983، ص:137

5۔ علامہ اقبال، بال جبریل، محولہ بالا، ص:55

6۔ (nawaiwaqt.com.PK)

7۔ عزیز احمد، اقبال نئی تشکیل، لاہور، گلوب پبلشرز، 1968ء، ص:340

8۔ ایوب شاہد، اقبال کا تصور توانائی، سرگودھا، المدینہ پبلشرز، 1982ء، ص:31

9۔ طفیل عرشی، اقبال انقلابی شاعر، لاہور، پاکستان ادبی سنگت، 1977ء، ص:31

10۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، اقبال عہد ساز شاعر اور مفکر، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، 2011، ص:23

11۔ صابر ابوہری، افکار اقبال، نئی دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاوس، 1995ء، ص:41

12۔ انی توکلت علی اللہ ربی وربکم۔ (بے شک میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، جو میرا رب ہے اور تمھارا رب ہے) سورۃ ھود، آیت:56

13۔ فقیر سید وحید الدین، روز گارِ فقیر، (لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، جلد دوم، س۔ن)، ص:357,3

14۔ عبد الحکیم، خلیفہ، فکر اقبال، (لاہور، بزم اقبال، طبع ششم، 1988) ص:225

15۔ عبد الوہاب عزام: "اقبال کا پیغام"، مشمولہ "مطالعہ اقبال"، منتخب مقالات: مجلہ اقبال، مرتبہ: گوہر نوشاہی (لاہور، بزم اقبال، طبع دوم، 1983)، ص:212

16۔ فقیر سید وحید الدین، روز گار فقیر، (لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، جلد دوم، س۔ن)، ص:185

17۔ علامہ اقبال، بال جبریل، محولہ بالا، ص:24

18۔ ایضاً، ص:56

19۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، بانگِ درا، مشمولہ کلیات اقبال، ص:271

20۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روحِ اقبال، لاہور، القمر انٹر پرائزرز، 2016ء، ص:237

21۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، اقبال حیات وفکر کے نئے گوشے، لاہور، نشریات پبلشرز، 2016، ص:87

22۔ عبد المغنی، ڈاکٹر، تنویرِ اقبال، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، 1990، ص:241

23۔ محمد حامد، افکار اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، 1986ء، ص:236

24۔ صابر ابوہری، افکار اقبال، نئی دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاوس، 1995، ص:38

25۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، بال جبریل، مشمولہ کلیات اقبال، ص:160

26۔ ایضاً، ص:35

27۔ ایضاً، ص:115

28۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا مشمولہ کلیات اقبال، ص:259

29۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، بال جبریل، مشمولہ کلیات اقبال، ص:147